مسلمان کی زندگی میں سنت کی اہمیت

سمیحہ راحیل قاضی

مکتبہ خواتین میگزین
منصورہ ملتان روڈ لاہور فون: 042-35435667
e mail:khawateenmagazine@yahoo.com

نام کتاب	:	مسلمان کی زندگی میں سنت کی اہمیت
مصنفہ	:	سمیحہ راحیل قاضی
ناشر	:	عباس اختر اعوان
		مکتبہ خواتین میگزین، منصورہ۔ ملتان روڈ لاہور
اشاعت اول	:	ربیع الاول ۱۴۳۱ھ، فروری 2010ء
مطبع	:	رانا پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	40روپے

ملنے کے پتے:

- ......ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ لاہور۔ 5432419
- ......علم وعرفان پبلشرز، اردو بازار، لاہور۔ 7352332
- ......ادارہ مطبوعات طلبہ 1اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔ 7553991
- ......دی بک ڈسٹری بیوٹرز، کراچی، 021-2787137
- ......مکتبہ تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی 5962137
- ......ادارہ تطہیر افکار، جی ٹی روڈ، پشاور۔ 091-262407
- ......ادارہ پاسبان خبر مرکز۔ 1 سرور روڈ، نزد سٹیٹ بینک بلڈنگ ملتان

حرفِ چند

اسلام اللہ کا عطا کردہ دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہی سے انسانیت کو عطا کر دیا گیا تھا۔

تمام انبیائے کرامؑ اسلام کی دعوت لے کر آئے، اور انہوںؑ نے اپنے اپنے دور میں اسلام کے تمام قوانین پر عمل کرنے کی دعوت اور تعلیم لوگوں تک پہنچائی۔ اس سلسلۃ الذہب کے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جن پر نبوت اور رسالت مکمل ہوئی اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، نہ کوئی کتاب نازل ہوگی نہ کوئی نئی شریعت وجود میں آئے گی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ (المائدہ:۳)

نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ نے جس طرح کتاب نازل فرمائی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمت بھی عطا کی۔ جس طرح قرآن بنیادی ماخذ قانون اور حجت ہے، اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حدیث بھی بنیادی ماخذ اور حجت ہے۔ قرآن میں احکام مجملاً دیے گئے ہیں جن کی تشریح سنت میں ملتی ہے۔ خود قرآن نے یہی کہا ہے کہ اللہ کا رسولؐ تمہیں جو کچھ عطا کرے، اسے (من و عن) لے لو اور جس سے روک دے، اس

سے (مکمل) اجتناب کرو۔ (سورۃ الحشر آیت ۷)۔

اس آیت سے بالکل واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن جو کلام الٰہی ہے، صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی اسی طرح ضروری قرار دیتا ہے جس طرح اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی بجا آوری ضروری ہے۔ اسلام دشمن قوتوں نے آغازِ صدر اول میں جب کھلی جنگ میں شکست فاش کھائی تو انھوں نے خفیہ سازشوں اور حیلوں بہانوں سے کئی نئے محاذ کھولے۔ انھی میں سے ایک فلسفیانہ موشگافیاں اور احکام اسلامی کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے منطق اور علم الکلام کی شعبدہ بازیاں استعمال میں لائی گئیں۔ صدر اول ہی میں فتنہ انکار سنت مختلف انداز میں سر اٹھاتا رہا مگر مستند اہل قلم نے اس فتنے کا بحسن وخوبی سد باب کیا۔ خود مسلمانوں کے اندر ایسے عناصر سر اٹھاتے رہے کہ خود کو مسلمان بھی کہلانا چاہتے ہیں اور احکام اسلامی کی تشریح کر کے اپنی خواہشاتِ نفس کی تسکین کے بھی خواہاں ہیں۔

گذشتہ صدی میں امت مسلمہ سیاسی وعلمی اور عسکری میدان میں مات کھا گئی اور غیروں نے اس پر تسلط جمالیا۔ ایسے میں کئی متجددین نمودار ہوئے جنہوں نے دین کا حلیہ بگاڑا۔ ان میں جھوٹے مدعیان نبوت سے لے کر منکرین حدیث تک اسلام دشمن اور منحرف از اسلام گمراہ قوتوں کی ایک کھیپ نظر آتی ہے۔ گزشتہ صدی میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ان تمام فتنوں کا خوب علمی محاکمہ اور تعاقب کیا۔ سنت کو مشکوک بنانے والے منکرین حدیث کے مقابلے پر مولانا نے ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' میں ایک سلسلہ ٔ مضمون شروع کیا جس میں ثابت کیا گیا کہ سنت کی پیروی اسی طرح ضروری ہے جس طرح احکام قرآن کی اتباع۔ اسی خاص موضوع پر ''ترجمان القرآن'' کی ایک خاص اشاعت ''منصب رسالت نمبر'' کے نام سے شائع ہوئی جو 1963 میں ''سنت کی آئینی حیثیت'' کے نام سے اسلامک پبلی کیشنز کی طرف سے کتابی صورت میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر مارکیٹ میں آئی۔ اب تک اس کے درجنوں ایڈیشن شائع

ہو چکے ہیں اور اس موضوع پر اب تک چھپنے والے لٹریچر میں سب سے زیادہ موثر، وقیع اور منکرین حدیث کا نہایت موثر جواب اس میں موجود ہے۔

فتنہ انکار حدیث مختلف پیرائے میں نمودار ہوتا رہتا ہے۔ یہ فتنہ آج بھی ایک طوفانی صورت اختیار کر رہا ہے۔ اس کے جواب میں سنت کی بالا دستی کے لیے جدو جہد کرنا بھی ضروری اور دینی فریضہ ہے۔ عزیزہ سمیحہ راحیل قاضی صاحبہ قلم و قرطاس کی دنیا میں مصروف عمل رہتی ہیں۔ اپنی گوناگوں معاشرتی و تحریکی و گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ اس میدان میں مصروف عمل رہنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ مختلف موضوعات پر ان کی تحریریں اخبارات و رسائل میں چھپتی رہتی ہیں اور پھر کتابوں اور کتابچوں کی صورت میں بھی طبع ہو کر آتی رہتی ہیں۔ زیر نظر کتابچہ ''مسلمان کی زندگی میں سنت کی اہمیت'' کے نام سے مرتب کیا گیا ہے اور اس میں قرآن و سنت کے حوالوں سے سنت کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ اس کتابچے میں عزیزہ نے اس دور کے اہم علماء کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

یہ مختصر کتابچہ اس لحاظ سے مفید ہے کہ اسے ایک ہی نشست میں بآسانی پڑھا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کو زیادہ تفصیل درکار ہو وہ سنت کی آئینی حیثیت اور دیگر کتابیں جن کا اس کتابچے میں حوالہ دیا گیا، سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کتابچے میں علامہ اقبال کے اشعار شامل کر کے انھوں نے اس کی قدر و قیمت کو دوبالا کر دیا ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ ہماری عزیزہ کی قابل قدر کاوش کو شرف قبولیت بخشے۔

۲۳ فروری ۲۰۱۰ء

خاکسار

۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

حافظ محمد ادریس

ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی لاہور

مسلمان کی زندگی میں سنت کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اسلامی نظام زندگی کی دوسری اہم ترین بنیاد ہے۔ دینِ اسلام کی پہلی بنیاد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔آپ ﷺ ہی ایک ایسا مستند ذریعہ ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام وفرامین ہم تک پہنچتے ہیں۔اسلام کا اولین تقاضا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر شعبے میں حضور نبی کریم ﷺ کی اس طرح اطاعت بجالائیں،جس طرح اطاعت کا حق ہے۔ آپ ﷺ کی سند کے بغیر کوئی اطاعت قابل قبول نہیں۔اور آپ ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑنا اللہ تعالیٰ ہی کی نافرمانی ہے۔خود نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ

یعنی: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی طاعت کی،اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔(بحوالہ تفہیم القرآن،جلد اول،ص:۳۶۳)

احادیث کے مستند مجموعے ''معارف الحدیث'' کے دیباچے میں محترم مولانا منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''احادیث کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لیے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لیے اور رشد وہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔نیز درس ومطالعہ

کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت ومحبت کو دل میں بیدار کر کے اس طرح ادب وتوجہ سے پڑھا اور سنا جائے کہ گویا ہم مجلس نبوی ﷺ اور دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرمار ہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔

اگر ایسا کیا گیا تو انشاء اللہ قلب وروح کو ان انوار وبرکات سے اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملے گا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہِ راست روحانی وایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔''

یہ اشارات حضور ﷺ کی سیرت کے ہر گوشے کے ذکر، ہر سنت پر عمل کرتے وقت اور ذکر نبی ﷺ کے ہر لمحے کے لیے مشعل راہ ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی کے آخری سانس تک اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں تو نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ مبارک کفروشرک اور ضلالت وطغیان کی شب تاریک میں منارہ نور ہے۔ یہ امت مسلمہ کی کشتی کا لنگر ہے، جو اسے کبھی بھی بے راہ نہ ہونے دے گا۔ مگر شرط صرف پیروی کی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے ارشاد فرمایا تھا:

> ''میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے، تو کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ (وہ دو چیزیں ہیں:) اللہ کی کتاب اور میری سنت۔''

سوا چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے، اس عرصے میں دنیا میں بڑے بڑے انقلابات آئے، صلیب وہلال کے معرکے ہوئے، حکومتیں بنیں اور مٹ گئیں، عروج وزوال کی نئی نئی مثالیں قائم ہوئیں۔ کبھی خلافت کا احیاء ہوا، کبھی ملوکیت کی بساط بچھی، نظام بھی ابھرے اور نظریات بھی نمو پذیر ہوئے، اور پھر قصہ پارینہ بن گئے۔

تعبیرات اور عقائد میں اختلافات ابھرے، فرقے بنے اور ختم ہو گئے۔ یہ سب ہوتا رہا مگر قرآن پاک کی ضیاء پاشیاں اپنی جگہ برقرار رہیں اور سنت نبوی ﷺ بھی ہر دور میں لو دیتی رہی۔ انقلاباتِ زمانہ قرآن وسنت کی اثر آفرینی اور ضیاء پاشیوں کو ذرہ بھر مدھم نہ کر سکے۔ قرآن پاک اور سنت نبوی ﷺ کا یہ استحکام اس حقیقت کا عکاس ہے کہ ہدایت کے یہ سرچشمے قیامت تک اپنی اصل شکل میں برقرار رہیں گے اور انسانیت ان کی پیروی کر کے اپنی دنیا و عقبیٰ کو سدھارتی رہے گی۔

فتنوں کے اس دور کا تقاضا

موجودہ فتنوں کا دور اس بات کا تقاضا کر رہا ہے کہ قرآن وسنت کی ہدایت کی روشنی میں راہِ نجات تلاش کی جائے۔ انکار سنت اور انکار حدیث کے فتنوں کا سد باب بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضور ﷺ کی اصل حیثیت اور ان کی عظمت کو بے چون و چرا تسلیم کیا جائے۔ ایک مسلمان جو کلمہ لا الہ الا اللہ کے بعد جب تک محمد رّسولُ اللہ نہ کہہ دے، مسلمان بن نہیں سکتا۔ اس کی کتاب زندگی کو درست کرنے اور اس کی تعمیر سیرت کے لیے دو بنیادی لوازم ہیں:

۱...... قرآن وسنت سے مضبوط تعلق اور آگہی۔

۲...... اللہ کے کلمے کو غالب کرنے اور حضور نبی کریم ﷺ کی چھوڑی ہوئی اصل سنت یعنی دین کو نافذ کرنے کی تڑپ اور جدوجہد، کہ جس کو قرآن کریم میں تین مقامات پر اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (سورۃ توبہ، سورۃ الفتح، سورۃ الصّف)

(اللہ) وہی تو ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت (قرآن کریم) اور دین حق (اسلام) کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کر دے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اے نبی (ﷺ)! آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ "اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔" ان سے کہو کہ "اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرلو۔" پھر اگر یہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے، جو اس کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

(سورہ آل عمران ۳۱،۳۲)

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر انسانیت کے لیے اپنا آخری پیغام دے کر بھیجا تاکہ حضور ﷺ قیامت تک کے انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ بن کر ایسا نمونے کا معاشرہ قائم کردیں جو دنیا کے نئے اخلاق، نئے ایمان اور نئے نظام زندگی سے بھرپور طریقے سے روشناس کر کے ایک انقلابی معاشرہ کی تشکیل نو کا فریضہ سرانجام دے سکے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ "معارف الحدیث" کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ "حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت و رسالت اور تعلیم کی وجہ سے جو محیر العقول انقلاب آیا، اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی۔ آپ ﷺ کی زندگی اور سیرت و اخلاق

۲۔ قرآن مجید

۳۔ آپ ﷺ کے ارشادات و ہدایات، مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین۔

ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ اور مکمل زندگی وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لیے زندگی شرط ہے اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ہمیں جو کیفیات نظر آتی ہیں، وہ تنہا تلاوتِ کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین اور مؤثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب

دروزان کے سامنے رہتی تھی۔ انہوں نے قرآن مجید سے اقامت صلوٰۃ کا حکم پایا تھا مگر انہوں نے اس کی صحیح کیفیت تب معلوم کی جب آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ انہوں نے قرآن کریم میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی لیکن اس کی حقیقت انہوں نے اس وقت جانی جب انہوں نے میدان بدر میں آپ ﷺ کو خاک پر سر رکھ کر یہ الفاظ کہتے سنا:

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! اگر تو چاہے کہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو جائے تو پھر کبھی تیری عبادت نہ ہوگی۔''

اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو حضرت ابوبکرؓ سے دیکھی نہ جا سکی، انہوں نے قرآنِ کریم میں دنیا کی بے وقعتی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی، اور آپ ﷺ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کی زندگی کو اصل زندگی سمجھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور ارشادات وہدایات جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث وسنت ہے، دین کی وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودا سرسبز وبار آور ہوتا ہے۔ دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں بلکہ وہ جذبات واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ قرآن مجید کے ساتھ عہدِ نبوی ﷺ کی اس تصویر کا باقی رہنا کہ انسان جب چاہے اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے اس ماحول میں پہنچ جائے جہاں رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس موجود ہیں اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا اعجاز اور امتیاز ہے کہ کوئی دوسری امت اس کی مثال نہیں رکھتی۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کو قیامت تک باقی رہنا تھا۔ اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور قلب ودماغ کی غذا فراہم کرنا تھا۔ یہ دین ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ماحول

حدیث وسنت کے ذریعہ سے محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہت منصوبہ بندی کے ذریعے اس صحیفہ زندگی کو محفوظ کیا۔

مگر کچھ بدقسمت لوگ امت کو اس زندگی، ہدایت اور قوت کے سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور ان میں اس زندگی کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلانا چاہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ امت مجتمع اور متحد ہے۔

انکارسنت کا فتنہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''سنت کی آئینی حیثیت'' میں تحریر کرتے ہیں کہ انکارِ سنت کا فتنہ پہلی دفعہ دوسری صدی ہجری میں خوارج اور معتزلہ نے اٹھایا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ:

☆...... اسلامی معاشرے کو حضور ﷺ کی لائی ہوئی سنت کی وجہ سے جو بے مثال نظم وضبط حاصل ہو گیا تھا، اس سے نکال کر منتشر کر کے انارکی پھیلائی جائے۔ ذہنوں کو شکوک وشبہات میں ڈال کر عجمی اور یونانی فلسفوں سے مرعوب ہو کر اسلام کے عقائد اور اصولوں کو ان نام نہاد عقلی تقاضوں کے مطابق تشکیل دیا جائے۔

☆...... قرآن کو حضور ﷺ کی قولی اور عملی تشریح توضیح اور ان کے بنائے ہوئے معاشرے کے لیے نظام سے الگ کر کے صرف ایک کتاب کی حیثیت سے اس کی من مانی تاویلات کر کے ایک دوسرا نظام بنا کر اس پر اسلام کا لیبل چسپاں کر دیا جائے۔

☆...... احادیث کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلا کر ان کی صحت کو مشکوک کر کے سنت کی پیروی سے انکار کی روش کو عام کیا جائے۔

یہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا کیونکہ:

ا۔ محدثین کے زبردست تحقیقی کام اور علم اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل کی وجہ سے اہل علم نے حضور ﷺ کی صحیح حیثیت مسلمانوں کے دل میں بٹھا دی کہ

آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ قرآن پہنچانے کے ذمہ دار اور اللہ کے رسول تھے بلکہ قرآن کی رو سے آپ ﷺ کی اطاعت اور ان کی سنت کا اتباع ہم پر فرض ہے ورنہ ہم قرآن کی پیروی بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکتے۔

۳۔ سنت رسول ﷺ سے جب کتاب اللہ کا تعلق توڑ دیا جائے تو دین کا حلیہ نہایت بری طرح سے بگڑ جاتا ہے۔

۴۔ امت کا اجتماعی ضمیر کبھی بھی ان تعبیرات کو قبول نہیں کرتا جو سنت سے ثابت شدہ نہ ہوں۔ امت میں کچھ غدار تو ہر زمانے اور ہر قوم میں پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر پوری امت کا سر پھرا ہونا ناممکن ہے۔ اور یہ سوچ کہ جس رسول ﷺ پر وہ ایمان لایا ہے اس کی اطاعت کا وہ سرے سے پابند ہی نہیں ہے، کسی مسلمان کے دماغ میں جگہ نہیں پا سکتی۔

دوسرا فتنہ پچھلی صدی میں عراق اور ہندوستان میں پھر اٹھا۔ اس کی ابتداء کرنے والے سر سید احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے اور غلام احمد پرویز نے اس کو ضلالت کی انتہا تک پہنچایا اور اب میڈیا کے اس دور میں اخبارات اور ٹی وی چینلز اور انٹرنیٹ اس ضلالت کو پھیلانے میں مصروف ہیں اور ان کے مقاصد بھی وہی ہیں جو پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔

سنت کی تعریف کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ جو ہمارا حاکم اعلیٰ ہے، اس کی مرضی اور اس کا بالاتر قانون ہمیں دو شکلوں میں ملا ہے۔ ایک قرآن جو لفظ بلفظ اللہ کے احکامات و ہدایات پر مشتمل ہے اور دوسرے حضرت محمد ﷺ کا اسوہ حسنہ یا آپ ﷺ کی سنت، جو قرآن کے منشا کی تشریح کرتی ہے۔

حضرت محمد ﷺ صرف اللہ کے نامہ بر نہیں تھے بلکہ اس کے مقرر کیے ہوئے راہنما، حاکم اور معلم بھی تھے اور وہ اس لیے آئے کہ انسانیت کو اللہ کا پیغام پہنچائیں، اس کی مرضی کے مطابق افراد کی تربیت کریں اور پھر ان تربیت یافتہ افراد کو ایک منظم

جماعت کی شکل دے کر معاشرے کی اصلاح کی جدوجہد کریں اور پھر اس اصلاح شدہ معاشرے کو ایک فلاحی ریاست کی صورت دے کر یہ دکھادیں کہ اسلام کے اصولوں پر ایک مکمل تہذیب کا نظام کس طرح قائم ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا یہ پورا کام جو آپ ﷺ نے اپنی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں کیا، وہ سنت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکم اعلیٰ کے قانون کی تشکیل و تکمیل کرتی ہے اور اسی قانون برتر کو شریعت بھی کہا جاتا ہے۔

سنت کس شکل میں موجود ہے؟

جو معاشرہ قرآن کی تعلیم اور حضور ﷺ کی سنت پر اسلام کے آغاز میں پہلے دن سے قائم ہوا تھا، وہ آج تک موجود ہے اور اس کے تمام ادارے مسلسل کام کر رہے ہیں۔ مسجد، عدالت، میدانِ جنگ، گھریلو عائلی نظام اور تہذیب وتمدن کا ہر ادارہ عقائد، عبادات، طرز فکر، اخلاق، اقدار، معاملات اور نظریہ حیات اور طریق حیات کے اعتبار سے جس نسبت پر پہلے دن سے اس معاشرے کو قائم کیا گیا تھا، وہ ان طویل صدیوں کے دوران روشن اور منور رہی ہے۔ اور یہ سنت کوئی گمشدہ چیز نہیں ہے جسے اندھیرے میں ٹٹولنا پڑے۔ سنت چونکہ قانون اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے اور اس پر ملکی ریاست سے لے کر گھر کے نظام تک سارے معاملات چلتے تھے، لہٰذا اسکی تحقیق سے کسی زمانے میں بھی غفلت نہیں برتی گئی اور سنت ثابتہ کو ہر لحاظ سے نسلاً بعد نسل محفوظ منتقل کیا گیا۔

معلوم اور متعارف سنتوں کے ساتھ ساتھ ان سنتوں کو بھی جمع کیا گیا جو عام تو نہ تھیں مگر متفرق افراد کے پاس انکا علم تھا۔ یہ روایت حدیث کا نقطۂ آغاز تھا۔ مولانا حافظ محمد عارف صاحب نے حضرت مولانا معین الدین خٹکؒ کی مشہورِ زمانہ شرح بخاری جو ''معین القاری'' کے نام سے بڑی محنت سے ترتیب دی ہے، وہ اس کے مقدمے میں تحریر کرتے ہیں:

علم حدیث کی تعریف:

هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهٖ أَقْوَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَفْعَالِهٖ (الکرمانی ج۱ص۱۲)

یعنی علم حدیث وہ علم ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال طیبہ، افعال مبارکہ اور احوال حسنہ معلوم ہوں۔

علم حدیث کی اقسام:

علم حدیث کی دو قسمیں ہیں:

۱...... علم روایۃ الحدیث

۲...... علم درایۃ الحدیث

علم روایۃ الحدیث کی تعریف:

هُوَ عِلْمٌ يَشْتَمِلُ عَلٰى نَقْلِ أَفْعَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَصِفَاتِهٖ وَتَقْرِيْرَاتِهٖ. (تدریب الراوی: ج۱، ص۴۰)

روایۃ الحدیث وہ علم ہے جو رسول اکرم ﷺ کے افعال، اقوال، صفات اور تقاریر کے نقل پر مشتمل ہو اور اسکا تعلق حدیث کی سند کے ساتھ ہوتا ہے۔

علم درایۃ الحدیث کی تعریف:

هُوَ عِلْمٌ عَلٰى شَرْحِ أَقْوَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَفْعَالِهٖ وَصِفَاتِهٖ، وَيُذْكَرُ فِيْهِ مَعَانِيْ أَلْفَاظِهٖ، وَيُشْرَحُ فِيْهِ تِلْكَ الْأَلْفَاظُ، وَيُعْلَمُ بِهٖ طُرُقُ اِسْتِنْبَاطِ الْأَحْكَامِ وَيُعْرَفُ بِهٖ تَرْجِيْحُ الرَّاجِحِ مِنْهَا وَالتَّطْبِيْقُ بَيْنَ الْأَحَادِيْثِ. (تدریب الراوی: ج۱، ص۴۰)

یہ وہ علم ہے جو حضور اکرم ﷺ کے اقوالِ طیبہ، افعالِ مبارکہ اور صفاتِ جمیلہ کی شرح پر مشتمل ہے۔ اس طرح علم درایۃ الحدیث کا تعلق حدیث کے متن کے ساتھ ہوتا ہے۔

علم الحدیث کا عنوان اور موضوع:

علم الحدیث کا موضوع حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔اس حیثیت سے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔

علم الحدیث فضلیت و اہمیت:

۱...... علم الحدیث کی غرض وغایت: دونوں جہانوں کی کامیابی

۲...... قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجیں گے۔(سنن ترمذی، ابواب الوتر)

۳۔ اللہ تعالٰی اس شخص کے چہرے کو شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سن کر اس طرح پہنچادی جیسے اس سے سنی۔اس لیے کہ بعض اوقات وہ شخص جس تک بات پہنچائی جائے، سننے والے کی بہ نسبت اسے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

(ترمذی، باب العلم)

حدیث کی لغوی تعریف:

حدیث کے لغوی معنی بیان، اخبار، بات، قصہ، واقعہ اور جدید کے ہیں۔

حدیث کی اصطلاحی تعریف:

نبی ﷺ کی طرف جس قول، فعل، تقریر یا صفت کی نسبت کی جائے، اسے حدیث کہتے ہیں۔(تیسر معطلح الحدیث۔تعریفات ادلیہ، لدکتور محمود الطحان)

حجیت حدیث:

حدیث پر بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے اس امر کا جائزہ لینا چاہیے کہ دین اسلام میں حضور ﷺ یعنی صاحب الحدیث کا مقام کیا ہے؟

کیا آپ ﷺ کا مقام صرف ایک سفیر کا ہے؟

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف قرآن کو پہنچا دینا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام معلم اور مربی، مصلح، قائد، پیشواء، نمونہ تقلید، شارع اور شارح کتاب اللہ اور حاکم کا ہے؟

اور ان مناصب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فائز ہونا کیا لوگوں کے انتخاب کی وجہ سے تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ کی طرف سے فائز کیا گیا تھا۔

قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات اس امر کی وضاحت کے لیے کافی ہیں:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیمُ الْقَوَاعِدَمِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ o رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَامَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیاتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ ط وَیُزَکِّیْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ o

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اس گھر (بیت اللہ) کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ تو دعا کرتے جاتے تھے: ''اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور جاننے والا ہے۔ اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا، جو تیری مسلم ہو۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔''

(سورہ بقرہ ۱۲۷ تا ۱۲۹)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ

ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ٥

ترجمہ: ''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے ،ان کی زندگیاں سنوارتا ہے ۔اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے ، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

(آل عمران:۱۶۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت قاضی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(سورہ النساء:۶۵)

ترجمہ: ''پس اے نبیؐ! تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ کریں، اس کی وجہ سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ بلکہ اسے بسر وچشم قبول کر لیں۔''

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت کا حکم صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے۔ اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ حدیث میں اسی بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبِعاً لِّمَا جِئْتُ بِهٖ

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ النور: ۵۱)

''ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ رسول کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے۔اور آپ ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔رسول اللہ ﷺ کی طرف بلایا جانا صرف آپ ﷺ کی طرف بلایا جانا نہیں بلکہ اللہ اور رسول ﷺ، دونوں کی طرف بلایا جانا ہے۔نیز یہ بات بلاکسی اشتباہ کے بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر ایمان کا دعویٰ بے معنی ہے۔اور الہ کی طاعت کا کوئی مطلب اس کے سوا نہیں ہے کہ مسلمان بحیثیت فرد اور بحیثیت قوم اس قانون کے آگے جھک جائیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو دیا ہے۔یہ طرزِ عمل اگر وہ اختیار نہیں کرتے تو ان کا دعویٰ ایمان ایک منافقانہ دعویٰ ہے۔

رسول اکرم ﷺ بحیثیت رہنما و پیشوا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (آل عمران: ۳۱-۳۲)

ترجمہ: ''اے نبی! انہیں کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو

تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ان سے کہو کہ ''اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت قبول کرلو'' پھر اگر وہ تمہاری اطاعت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے، جو اس کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

رسول اکرم ﷺ بحیثیت نمونہ تقلید:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ٥ (سورة الاحزاب:۲۱)

تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک عمدہ نمونہ (تقلید) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی ملاقات کا امیدوار ہو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرے۔''

جس سیاق وسباق میں یہ آیت ارشاد ہوئی ہے، اس کے لحاظ سے رسول پاک ﷺ کے طرز عمل کو اس جگہ نمونہ کے طور پر پیش کرنے سے مقصود ان لوگوں کو سبق دینا تھا جنہوں نے جنگ احزاب کے موقع پر مفاد پرستی وعافیت کوشی سے کام لیا تھا۔ان سے فرمایا جارہا ہے کہ ایمان واسلام اور اتباع رسول ﷺ کے مدعی تھے، تم کو دیکھنا چاہئے تھا کہ جس رسول کے پیرووں میں تم شامل ہوئے ہو، اس کا اس موقع کیا رویہ تھا۔اگر کسی گروہ کا لیڈر خود عافیت کوش ہو، خود آرام طلب ہو، خود اپنے ذاتی مفاد کی حفاظت کو مقدم رکھتا ہو، خطرے کے وقت خود بھاگ نکلنے کی تیاریاں کررہا ہو، پھر تو اس کے پیرووں کی طرف سے ان کمزوریوں کا اظہار معقول ہوسکتا ہے۔مگر یہاں تو رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ ہر مشقت جس کا آپ ﷺ نے دوسروں سے مطالبہ کیا، اسے برداشت کرنے میں آپ ﷺ خود سب کے ساتھ شریک تھے۔ بلکہ دوسروں سے بڑھ کر ہی آپ ﷺ نے حصہ لیا۔کوئی تکلیف

ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اٹھائی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اٹھائی ہو۔ خندق کھودنے والوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود شامل تھے۔ بھوک اور سردی کی تکلیفیں اٹھانے میں ایک ادنیٰ مسلمان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بالکل برابر کا تھا۔ محاصرے کے دوران میں آپ ہر وقت محاذ جنگ پر موجود رہے۔ اور ایک لمحے کے لیے بھی دشمن کے مقابلے سے نہ ہٹے۔ بنی قریظہ کی غداری کے بعد جس خطرے میں سب مسلمانوں کے بال بچے مبتلا تھے، اسی میں آپ کے بال بچے بھی مبتلا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لئے کوئی خاص اہتمام نہ کیا جو دوسرے مسلمانوں کے لئے نہ ہو۔ جس مقصد عظیم کے لئے آپؐ دوسروں سے قربانیوں کا مطالبہ کر رہے تھے، اس پر سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار تھے۔ اس لیے جو کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا مدعی تھا، اسے یہ نمونہ دیکھ کر اس کی پیروی کرنی چاہیے تھی۔

یہ موقع و محل کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم ہے مگر اس کے الفاظ عام ہیں۔ اور اس کے منشاء کو صرف اسی معنی تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ صرف اسی لحاظ سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مسلمانوں کیلئے نمونہ ہے۔ بلکہ مطلقاً اسے نمونہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اِس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنے لیے نمونے کی زندگی سمجھیں۔ اور اس کے مطابق اپنی سیرت و کردار کو ڈھالیں۔

اللہ تعالیٰ سے غافل آدمی کے لئے تو یہ زندگی نمونہ نہیں ہے مگر اس شخص کے لئے ضرور نمونہ ہے جو کبھی کبھار اتفاقاً خدا کا نام لینے والا نہیں بلکہ کثرت سے اس کو یاد رکھنے اور یاد کرنے والا ہو۔ اسی طرح یہ زندگی اُس شخص کے لئے ضرور نمونہ ہے جو اللہ کے فضل اور اس کی عنایات کا امیدوار ہو۔ اور جسے یہ بھی خیال ہو کہ کوئی آخرت آنے والی ہے۔ جہاں اس کی بھلائی کا سارا انحصار ہی اس پر ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کا رویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

رویے سے کس حد تک قریب رہا ہے۔(بحوالہ تفہیم القرآن جلد۴، صفحہ: ۸۰،۸۱)

رسول اکرم ﷺ کتاب اللہ کے شارح:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ o (النحل:۴۴)

"اور اے نبی! یہ ذکر ہم نے تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ، جو ان کے لیے نازل کی گئی ہے تا کہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔"

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تشریح میں فرماتے ہیں: "تشریح و توضیح صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی۔اور اپنی رہنمائی میں ایک مسلم سوسائٹی کی تشکیل کر کے بھی۔اور "ذکر الٰہی" کے منشاء کے مطابق اس کے نظام کو چلا کر بھی۔

اس طرح اللہ نے وہ حکمت بیان کر دی ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ لازماً ایک انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے۔"ذکر" فرشتوں کے ذریعے بھی بھیجا جا سکتا تھا۔براہ راست چھاپ کر ایک انسان تک بھی پہنچایا جا سکتا تھا۔مگر محض ذکر بھیج دینے سے وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و ربوبیت اس کی تنزیل کی متقاضی تھی۔اس مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ اس "ذکر" کو ایک قابل ترین انسان لے کر آئے۔وہ اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔جس سمجھ میں کوئی بات نہ آئے، اس کا مطلب سمجھائے۔جنہیں کچھ شک ہو ان کا شک رفع کرے۔جنہیں کوئی اعتراض ہو، ان کے اعتراض کا جواب دے۔جو نہ مانیں اور مخالفت اور مزاحمت کریں ان کے مقابلے وہ اس طرح کا رویہ برت کر دکھائے جو اس "ذکر" کے حاملین کے شایان شان ہے۔جو مان لیں انہیں زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے۔ان کے سامنے خود اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرے۔اور ان کو انفرادی اور اجتماعی تربیت دے

کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا پورا اجتماعی نظام ''ذکر'' کے منشاء کی شرح ہو۔

یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کے لئے قاطع تھی، جو خدا کا ''ذکر'' بشر کے ذریعے سے آنے کو نہیں مانتے تھے۔ اُسی طرح آج یہ ان منکرین حدیث کی حجت کے لیے بھی قاطع ہے جو نبی اکرم ﷺ کی تشریح وتوضیح کے بغیر صرف ''ذکر'' کو لے لینا چاہتے ہیں۔ وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے تشریح وتوضیح کچھ بھی نہیں کی تھی بلکہ صرف ''ذکر'' پیش کر دیا تھا۔ یا اس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے نہ کہ نبی ﷺ کی تشریح، یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لیے صرف ذکر کافی ہے، نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔ یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ذکر ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے۔ نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں ہے۔ غرض ان چاروں باتوں میں سے جس بات کے بھی وہ قائل ہوں، ان کا مسلک بہر حال قرآن کی اس آیت سے ٹکراتا ہے۔

اگر وہ پہلی بات کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اس منشاء ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ذکر کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجنے یا براہ راست لوگوں تک پہنچا دینے کے بجائے اسے واسطۂ تبلیغ بنایا گیا تھا۔ اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہیں تو تو اس مطلب یہ ہے اللہ میاں نے (معاذ اللہ) یہ بے ثمر حرکت کی کہ اپنا ''ذکر'' ایک نبی کے ذریعہ سے بھیجا کیونکہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی علیہ السلام کے بغیر صرف ذکر کے مطبوعہ شکل میں نازل ہو جانے کا ہو سکتا تھا۔

اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدی ﷺ دونوں کی تنسیخ کا اعلان ہے۔ جس کے بغیر اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں۔ اس لیے کہ اس آیت میں

اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لئے نبی علیہ السلام کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کرر ہا ہے کہ وہ ذکر کے منشاء کی توضیح کرے۔اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی علیہ السلام کی توضیح وتشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتائج سامنے آتے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ختم ہوگئی اور ہمارا تعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا رہ گیا جیسا حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں، مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ جس کا ہم اتباع کریں۔ یہ چیز نئی نبوت کی ضرورت آپ سے آپ ثابت کر دیتی ہے، صرف ایک بیوقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کرسکتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اکیلا قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح وتبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے۔اس لیے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اِسے بجائے خود کافی قرار دیں، مدعی سست کی حمایت میں گواہان چست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رو سے ثابت ہو جاتی ہے۔اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے ذریعے سے دین کی جڑ کھود رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شارع:

وما اٰتاکم الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ج وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر:۷)

جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔"

منشاء یہ ہے کہ تمام معاملات میں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔منع کرنے اور روک دینے کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس حکم کا مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

اوامر ونواہی سے ہے۔یہی بات ہے جو خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمائی ہے ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَأْتُوْمِنهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ

''جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو۔اور جس بات سے روک دوں، اس سے اجتناب کرو۔(بخاری)

نبی کریم ﷺ کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا:

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط

وہ رسول ﷺ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں۔ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہراتے ہیں اور ناپاک چیزیں حرام قرار دیتے ہیں اور ان سے بوجھ اور طوق اتارتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔''(الاعراف:۱۵۷)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ(النساء.۵۹)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی اور اپنے میں سے اصحابِ امر کی اگر تمہارے یہاں کسی بات میں جھگڑا رونما ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔''

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

(النساء: ۶۵)۔

تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں۔

یعنی خدا کی طرف سے رسول ؐ اس لیے نہیں آتا ہے کہ کہ بس اس کی رسالت پر ایمان

لے آؤ اور پھر اطاعت جس کی چاہو کرتے رہو۔ بلکہ رسولؑ آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے، تمام قوانین کو چھوڑ کر صرف اسی کی پیروی کی جائے۔اور خدا کی طرف سے جو احکام وہ دیتا ہے، تمام احکام کو چھوڑ کر صرف انہی پر عمل کیا جائے۔اگر کسی نے یہی نہ کیا تو پھر اس کا محض رسول کو رسول مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس آیت کا حکم صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک کیلئے ہے۔جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے لئے فیصلہ کن سند ہے۔اور اس سند کو ماننے یہ نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔حدیث میں اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبعاًلِّمَا جِئتُ بِهٖ

''تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حکمت کا نزول:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَم ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں، جو آپ نہیں جانتے تھے۔اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔'' تمام بڑے فقہاء کی رائے ہے کہ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

قرآن کے الفاظ کی جو تشریح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی اور رسول اللہ

ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے اس کی جو تعلیم امت کو دی، اس کو جاننے کا ذریعہ ہمارے پاس حدیث وسنت کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ حدیث سے مراد وہ روایات ہیں جو حضور ﷺ کے اقوال وافعال کے متعلق سند کے ساتھ اگلوں سے پچھلوں تک منتقل ہوئیں۔ اور سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جو حضور ﷺ کی قولی وعملی تعلیم سے مسلم معاشرے کی انفرادی واجتماعی زندگی میں رائج ہوا۔ جس کی تفصیلات معتبر روایتوں سے بھی بعد کی نسلوں کو اگلی نسلوں سے ملیں اور بعد کی نسلوں نے اگلی نسلوں میں اس پر عمل درآمد ہوتے بھی دیکھا۔ (منکرینِ حدیث کی طرح) اس ذریعہ علم کو قبول کرنے سے جو شخص انکار کرتا ہے وہ گویا یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ' فرما کر قرآن کا مطلب اپنے رسول ﷺ کو سمجھا دینے کی جو ذمہ داری لی تھی، اس کو پورا کرنے میں معاذ اللہ وہ ناکام ہوگیا۔ کیونکہ یہ ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کو ذاتی حیثیت سے مطلب سمجھانے کیلئے نہیں لی گئی تھی۔ بلکہ اس غرض کے لیے لی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے امت کو کتابِ الٰہی کا مطلب سمجھایا جائے۔ اور حدیث وسنت کے ماخذ قانون ہونے کا انکار کرتے ہی آپ سے یہ لازم آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرسکا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس کے جواب میں جو شخص یہ کہتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے حدیثیں گھڑ بھی تو لی تھیں، اس سے ہم کہیں گے کہ حدیثوں کا گھڑا جانا خود اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ آغازِ اسلام میں پوری امت رسول اللہ ﷺ کے اقوال واعمال کو قانون کا درجہ دیتی تھی۔ ورنہ آخر گمراہی پھیلانے والوں کو جھوٹی حدیثیں گھڑنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟ جعل ساز لوگ وہی سکے تو جعلی بناتے ہیں جن کا بازار میں چلن ہو۔ جن نوٹوں کی بازار میں کوئی قیمت نہ ہو انہیں کون بیوقوف جعلی طور پر چھاپے گا؟ پھر ایسی بات کہنے والوں کو شاید معلوم نہیں ہے کہ اس امت نے اول روز سے اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ جس ذاتِ پاک ﷺ کے اقوال وافعال قانون کا درجہ رکھتے ہیں، اس کی طرف

کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے۔اور جتنا جتنا غلط باتوں کے اس ذات ؑ کی طرف منسوب ہونے کا خطرہ بڑھتا گیا، اتنا ہی اس امت کے خیر خواہ اس بات کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے چلے گئے کہ صحیح کو غلط سے ممیّز کیا جائے۔صحیح و غلط روایات کی تمیز کا یہ علم ایک بڑا عظیم الشان علم ہے جو مسلمانوں کے سوا دنیا کی کسی قوم نے آج تک ایجاد نہیں کیا ہے۔سخت بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس علم کو حاصل کیے بغیر مغربی مستشرقین کے بہکائے میں آ کر حدیث و سنت کو ناقابل اعتبار ٹھیراتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کہ اپنی اس جاہلانہ جسارت سے وہ اسلام کو کتنا بڑا نقصان پہنچا رہے ہیں۔

(بحوالہ: تفہیم القرآن، جلد ششم: ۱۷۰،۱۷۱)

حضور نبی کریم ﷺ پر وحی غیر متلوّ کا نزول:

حکمت کا حضور ﷺ پر نازل کیا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آئی تھی اور حکمت کی بنیاد بھی وحی آتی تھی اور حکمت کی بنیاد بھی وحی الٰہی ہے۔خود قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی موجود ہیں جو اس وحی پر دلالت کرتی ہیں۔اس کی کچھ مثالیں ذیل میں دی جا رہی ہیں:

راز کی بات:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ O (التحریم : ۳)

اور جب نبی ﷺ نے اپنی ایک بیوی سے راز میں ایک بات کہی اور اس بیوی نے اس کی خبر (دوسری بیویوں) کو دے دی، اور اللہ نے نبی ﷺ کو اس پر مطلع کر دیا، تو

نبی ﷺ نے اس بیوی کے قصور کا حصہ اسے بتا دیا اور دوسرے حصہ سے درگذر کرلیا۔ پس جب نبی ﷺ نے اس بیوی کو اس کا قصور بتا دیا تو اس نے پوچھا آپ کو کس نے اس کی خبر دی۔ نبی ﷺ نے کہا مجھے علیم وخبیر نے بتایا ہے۔"

تحویل قبلہ:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَّنقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ (البقرة:۱۴۳)۔

جنگ بدر (دو گروہوں میں ایک گروہ):

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ أَن يُحِقَّ الحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ االْكَافِرِيْنَ O لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ O

(الانفال:۷،۸)

اور جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائیگا، (یعنی تجارتی قافلہ یا لشکر قریش) تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تمہیں ملے، (یعنی تجارتی قافلہ جس کے ساتھ صرف تیس چالیس محافظ تھے) مگر اللہ کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، تاکہ حق، حق، ہو کر رہے اور باطل، باطل ہو کر رہ جائے۔ خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"

یہ ایک فیصلہ کن مرحلہ تھا، جس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا اقرار کیا تھا، وہ اپنے ایمان اور اتباع رسول ﷺ میں کس قدر پختہ ہیں۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ نے فیصلہ فرماتے ہوئے صحابہ کرامؓ کی رائے لینا چاہی تو اس کے لیے انصار و مجاہدین کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے ساری پوزیشن صاف

صاف رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر چلا آ رہا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم کس کے مقابلہ پر چلنا چاہتے ہو؟ جواب میں ایک بڑے گروہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہوا کہ قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کیا جائے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے پیش نظر کچھ اور تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنا سوال دہرایا۔ اس پر مہاجرین میں سے مقداد بن بن عمرو نے اٹھ کر کہا: ''یا رسول اللہ (ﷺ) جدھر آپؐ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے، اسی طرف چلیے، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، جس طرف بھی آپؐ جائیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ ''جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔'' نہیں ہم کہتے ہیں کہ ''چلیے آپؐ اور آپؐ کا خدا دونوں لڑیں اور اور ہم آپ کے ساتھ جانیں لڑائیں گے جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔''

مگر فیصلہ انصار کی رائے معلوم کیے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ ابھی تک فوجی معاملات میں ان سے کوئی مدد نہیں لی گئی تھی۔ اور ان کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کی حمایت کا جو عہد انہوں نے روزِ اول کیا تھا، اسے وہ کہاں تک نباہنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے حضور ﷺ نے ان کو براہ راست مخاطب کیے بغیر پھر اپنا سوال دوہرایا۔ اس پر سعد بن معاذؓ اٹھے اور انہوں نے عرض کیا، شاید حضور ﷺ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ فرمایا، ہاں۔ انہوں نے کہا: ''ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور آپؐ سے سمع و طاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسولؐ! جو کچھ آپؐ نے ارادہ فرما لیا ہے، اسے کر گزریے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس نے حق کے ساتھ آپ ﷺ کو بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں لے کر سمندر پر جا پہنچیں، اور اور اس میں اتر جائیں تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ کود یں گے اور ہمیں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا...... ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔ مقابلہ میں سچی جانثاری دکھائیں گے۔ اور

بعید نہیں کہ اللہ آپ ؐ کو ہم میں سے وہ کچھ دکھوا دے، جسے دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔"

یہ ہے وہ جذبہ اطاعت و جانثاری، جو نبی کریم ﷺ کے لیے تمام مسلمانوں میں ہونا چاہیے۔اسی جذبے اور عمل کے ذریعے مسلمان پہلے بھی سرخرو رہے، اور اسی سے آئندہ بھی کامیابیاں ان کا مقدر بنتی رہیں گی۔

بنو نضیر کے باغات:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (الحشر: ۵)۔

"تم لوگوں نے کھجوروں کے جو درخت کاٹے، یا جن کو اپنی جڑوں پر رہنے دیا، یہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا۔اور (اللہ نے یہ اذن اس لیے دیا) تاکہ فاسقوں کو ذلیل و خوار کرے۔" یعنی بنو نضیر کے بعض باغات کو اکھاڑنے، جلانے، یا باقی رکھنے کا کام مسلمان کر رہے تھے۔یہ فساد فی الارض نہیں تھا۔ بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں سے تھا۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت،

تمام انسانوں اور تمام زمانوں کیلئے قانون اسلامی کا دوسرا ماخذ:

حضور ﷺ کی اطاعت غیر مشروط طور پر لازم ہے۔آپ ؐ سے محبت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے ایک قدم اور ایک ایک نشان راہ کا علم حاصل کیا جائے اور پھر اپنی زندگی اس کے مطابق استوار کی جائے۔آپ ؐ کی زندگی میں غار حرا بھی ہے اور بدر و حنین اور طائف بھی۔آپ ﷺ کو دین حق پر چلتے ہوئے فقر و فاقہ کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔نبی کریم ﷺ کی محبت، اطاعت اور اتباع کا دم بھرنے والوں کے لیے جتنے بڑے انعامات ہیں، اتنی ہی یہ راہ پر خار بھی ہے۔اس لیے ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنے کے

لئے تیار رہنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت اور اتباع کا بلند مقام یہ ہے کہ آپ ؐ نے جو جو احکام دیئے ہیں اور جو جو عمل کیے ہیں، انہیں اپنی زندگیوں کا حصہ بنالیا جائے۔ اور آپ ﷺ کے اسوہ سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (مسلم، عن انسؓ)

یعنی: ''جس کی نگاہ میں میری سنت کی اہمیت نہیں، جو میرے سنت سے بے رخی برتتا ہے، وہ میرے گروہ میں سے نہیں ہے۔''

آپ ﷺ کی اطاعت آپ ؐ کی زندگی تک ہی نہیں بلکہ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔

آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کی احادیث اور سنت کے سوا کوئی الٰہی راہنمائی کا ذریعہ نہیں ہے۔ اسی لیے قانون اسلامی کا دوسرا ماخذ قرآن کے بعد سنت ہے۔

منکرین حدیث کا فتنہ اور انکے اعتراضات اور ان کے جوابات:

سوال ۱: قرآن کی طرح حدیث بھی لکھی ہوئی کیوں نہیں ہے؟

جواب: شروع میں خط و کتابت کا رواج نہ تھا تو قرآن و حدیث کو خلط ملط سے بچانے کے لیے حضور ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا اور کتابت قرآن کریم کے عظیم فریضے کو اولیت دی اور جب قرآن کریم کی کتابت محفوظ ہوگئی تو اس کے بعد حدیث کی کتابت کی گئی۔

سوال ۲: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ میں نے چھ لاکھ احادیث میں سے تقریباً چار ہزار کو منتخب کر کے صحیح بخاری میں درج کیا ہے۔ امام مسلمؒ نے تین لاکھ میں سے تین ہزار درج کیں۔ اس پر منکرین حدیث یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ باقی تمام احادیث ناقابل بھروسہ اور صحیح نہیں ہیں۔

جواب:...... بے شک کچھ موضوع اور گھڑی گئی احادیث بھی ہیں۔مگر وہ محدثین نے بالکل الگ کردی ہیں۔عطائی ڈاکٹروں کی وجہ سے کوئی ڈاکٹر کے پاس تو جانا نہیں چھوڑ دیتا، نہ علم طب کو جھوٹا اور لایعنی قرار دیتا ہے۔

سوال ۳:...... احادیث کی وجہ سے امت میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔

جواب:...... نہیں، بلکہ انہی احادیث کی وجہ سے اور حضور ﷺ کی اتباع کی وجہ سے امت متحد ہے۔عملی طور پر دیکھ لیں، منکرین حدیث اور منکرین سنت جتنے منتشر اور مختلف ہیں، اتنے علما اور محدثین منتشر نہیں۔

معیار حدیث:

سند اور روایت جتنی مضبوط اور صحیح ہوگی، حدیث بھی اسی اعتبار سے اتنی ہی مضبوط اور صحیح ہوگی۔

اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل:

پوری دنیا میں حضور ﷺ کی ذات گرامی ہی ایسی بابرکت ہے کہ ان کے ماننے والوں نے ان کی حدیث کو صحیح رکھنے کے لیے اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل کے علوم رائج کیے اور اس میں لاکھوں افراد کے شجرہ نسب اور زندگی کے واقعات کو قلم بند کیا تاکہ حضور ﷺ سے منسوب کسی بات کو بھی غلطی سے پاک رکھا جاسکے۔

سیرت نبی ﷺ اور دورِ جدید کے چیلنج:

قرآن کریم میں سورج کو سراجاً وَّھّاجاً اور حضور ﷺ کو سِرَاجاً مُّنِیرًا کا لقب دیا گیا ہے۔سورج روشنی، حرارت، توانائی، اور زندگی کا منبع ہے۔اور حضور ﷺ کی ذات گرامی بھی مسلمانوں کی حیات کا سرچشمہ ہے۔جو ہر ایک کو فیض یاب کرتا ہے۔اس جھوٹے

پروپیگنڈے کے دور میں میری اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ ہم یہ عزم کرلیں کہ اس قافلے کے راہی بنیں گے۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اور سیرت کے احیا کا عزم کر رکھا ہے۔ تاکہ دنیا میں ان کا نظام غالب ہو سکے۔ اور حوض کوثر پر ان سے ملاقات کے وقت سرخرو ہو سکیں۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلٰی الْجِهَادِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا

''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے آقائے دوجہاں سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ جب تک ہم زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام اور سنتوں کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرتے رہیں گے۔''

عرضِ حال مصنّف بحضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں علامہ محمد اقبالؒ کا فارسی زبان میں نذرانہ عقیدت اور اس کا اردو ترجمہ، جو بالیقین ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے۔

اے ظہورِ تو شباب زندگی — جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
اے زمیں از بارگاہت ارجمند — آسماں از بوسۂ بامت بلند
شش جہت روشن زتابِ روئے تو — ترک و تاجیک و عرب ہندوے تو
از تو بالاپایۂ ایں کائنات — فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمع حیات افروختی — بندگاں را خواجگی آموختی
بے تو از نابود مندیہا خجل — پیکرانِ ایں سرائے آب و گل
تادمِ تو آتشے از گِل کشود — تودہ ہائے خاک را آدم نمود
ذرّہ دامنگیرِ مہر و ماہ شد — یعنی از نیروے خویش آگاہ شد
تامرا افتاد بررویت نظر — ازاب و ام گشتۂ محبوب تر
عشق در من آتشے افروخت است — فرصتش بادا کہ جانم سوخت است
نالہ مانندِ نَے سامانِ من — آں چراغِ خانہ ویرانِ من
ازغمِ پنہاں نگفتن مشکل است — بادہ درمینا نہفتن مشکل است

عرضِ حال مصنف بحضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے زندگی اپنے شباب کو پہنچی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور خواب زندگی کی تعبیر ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقصود کائنات ہیں۔)

☆ اس زمین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے سبب شرف پایا۔ آسمان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے بام کو بوسہ دے کر بلند مرتبہ حاصل کیا۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے نور سے شش جہت روشن ہیں، تُرک، تاجیک اور عرب سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔

☆ اس کائنات کا مرتبہ آپؐ کی وجہ سے بلند ہوا۔ آپؐ کا فقر کائنات کی دولت ہے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہان میں زندگی کی شمع روشن کی اور غلاموں کو آقائی سکھائی۔

☆ آپؐ کے بغیر اس سرائے آب وگل (دُنیا) کے سارے پیکر اپنی کم مائیگی کے سبب شرمسار ہیں۔

☆ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کے پیکروں کے اندر سے (عشق) کی آگ نکالی تو ان خاک کے تودوں نے آدم کی صورت اختیار کر لی۔

☆ پھر یہ انسان جو ذرہ تھا، مہر و ماہ کا ہم پایہ ہو گیا یعنی اس نے اپنی قوتوں سے آگاہی پائی۔

☆ جب سے میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مُبارک پر پڑی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ماں باپ سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ (تم میں سے کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں)۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق نے میرے اندر آگ بڑھکا دی ہے، عشق کو فرصت مُبارک کیونکہ اب میری جان جل چکی ہے۔

☆ بانسری کی مانند نالہ ہی میرا سامان ہے اور یہی میرے خانۂ ویران کا چراغ ہے۔

☆ غمِ پنہاں کی بات نہ کرنا بہت مشکل ہے۔ جیسے شراب کو مینا میں چھپانا مشکل ہے۔

مسلم از سرِّ نبیؐ بیگانہ شد   باز ایں بیت الحرم بتخانہ شد
از منات و لات و عزّیٰ و ہبل   ہر یکے دارد بُتے اندر بغل
شیخِ ما از برہمن کافر تر است   زانکہ او را سومنات اندر سراست
رختِ ہستی از عرب برچیدہٴ   در خُمستانِ عجم خوابیدہٴ
شل زبر فابِ عجم اعضائے او   سرد تر از اشک او صہبائے او
ہمچو کافر از اجل ترسندہٴ   سینہ اش فارغ ز قلبِ زندہٴ
نعشش از پیشِ طبیباں بُردہ ام   در حضورِ مصطفیٰ ﷺ آوردہ ام
مردہ بود از آبِ حیواں گفتمش   سرّے از اسرارِ قرآں گفتمش
داستانے گفتم از یارانِ نجد   نکہتے آوردم از بستانِ نجد
محفل از شمعِ نوا افروختم   قوم را رمزِ حیات آموختم
گفت بر ما بندد افسونِ فرنگ (۱)   ہست غوغایش ز قانونِ فرنگ
اے بصیری را ردا بخشندہٴ (۲)   بربطِ سلما مرا بخشندہٴ
ذوقِ حق دِہ ایں خطا اندیش را   اینکہ نشناسد متاعِ خویش را

(۱) قانون: ایک قسم کا ساز

(۲) بصیری: مصنف قصیدہ بُردہٴ جس نے عالمِ رؤیا میں نبی کریم ﷺ کو اپنا مشہور قصیدہ (امن تذکر جیران بذی مسلم) سنایا۔ حضور ﷺ نے اس کے صلے میں خوش نصیب بصیری کو اپنی چادر مطہر عطا فرمائی۔

☆ مسلمان عشقِ نبی ﷺ سے بیگانہ ہوا اور اس وجہ سے یہ بیت الحرم (دل) دوبارہ بُت خانہ بن گیا۔

☆ ہر مُسلمان لات، منات، عُزّیٰ اور ہبل جیسے بتوں میں سے کوئی نہ کوئی بُت اپنی بغل میں رکھے ہوئے ہے۔

☆ ہمارا شیخ برہمن سے زیادہ کافر ہے کیونکہ اس کا سومنات اس کے سر کے اندر ہے۔

☆ اس نے عرب سے اپنی زندگی کا تعلق منقطع کر لیا ہے اور عجم کے خمستان میں جا کے سو گیا ہے۔

☆ عجم کے برفاب سے اس کے اعضا شل ہو گئے ہیں۔ اس کی شراب اس کے آنسوؤں سے بھی زیادہ سرد ہے۔

☆ وُہ کافروں کی طرح موت سے ڈرتا ہے۔ اس کا سینہ قلبِ زندہ سے محرُوم ہے۔

☆ میں نے اس کی نعش کو طبیبوں کے سامنے سے اٹھایا اور اسے جناب رسول پاک ﷺ کے حضور میں لے آیا۔

☆ (میں نے عرض کیا) یہ مردہ تھا، میں نے اسے آب حیات کی باتیں سنائی ہیں۔ میں نے اسے قرآن پاک کے اسرار میں سے بعض سر بیان کیے۔

☆ میں نے اسے یارانِ نجد کی داستان سنائی، میں اس کے لیے نجد کے گُلستان کی خوشبو لایا۔

☆ میں نے محفل کو اپنی آواز کی شمع سے روشن کیا اور قوم کو رمزِ حیات سکھائی۔

☆ اس نے کہا کہ یہ شخص ہم پر فرنگیوں کا افسوں پھُونک رہا ہے۔ اس کا سارا غوغا سازِ فرنگ کا مرہونِ منت ہے۔

☆ آپ ﷺ نے بوصیری کو اپنی چادر مُبارک عطا فرمائی تھی اور آپ ﷺ نے مُجھے بربطِ سلمٰی عطا فرمائی ہے۔

☆ ان غلط سوچ رکھنے والوں کو جو اپنی متاع کو بھی نہیں پہچانتے، سچائی کا ذوق عطا فرمائیے۔

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
در بحرفم غیر قرآں مضمر است

اے فروغت صبحِ اعصار و دہور
چشمِ تو بینندۂ مَافِي الصُّدُوْر

پردۂ ناموس فکرم چاک کن
ایں خیاباں را زخارم پاک کن

تنگ کن رختِ حیات اندر برم
اہلِ ملت را نگہدار از شرم

سبز کشتِ نا بساماں مکن
بہرہ گیر از ابرنیسانم مکن

خشک گرداں بادہ در انگورِ من
زہر ریز اندر مے کافورِ من

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

گر دُرِ اسرار قرآں سفتہ ام
با مسلماناں اگر حق گفتہ ام

اے کہ از احسانِ تو ناکس کس است
یک دعایت مزد گفتارم بس است

عرض کن پیشِ خدائے عزوجل
عشق من گردد ہم آغوشِ عمل

دولتِ جانِ حزیں بخشندۂ
بہرۂ از علمِ دیں بخشندۂ

در عمل پایندہ تر گرداں مرا
آبِ نیسانم گہر گرداں مرا

رخت جاں تا در جہاں آوردہ ام
آرزوئے دیگرے پروردہ ام

ہمچو دل در سینہ ام آسودہ است
محرم از صبحِ حیاتم بودہ است

از پدر تا نامِ آموختم
آتشِ ایں آرزو افروختم

☆ اگر میرے دل کا آئینہ جوہر کے بغیر ہے، اگر میرے اشعار میں قرآن پاک کے علاوہ کچھ اور پوشیدہ ہے۔

☆ آپؐ کا نور اعصار و دہور (عصر و دہر کی جمع) کی صبح ہے، آپؐ کی آنکھ پر دلوں کی بات روشن ہے۔ (اگر میں قرآن پاک کے علاوہ کچھ اور کہہ رہا ہوں) تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرے فکر کے شرف کا پردہ چاک کر دیجئے اور خیابان (دُنیا) کو میرے کانٹے سے پاک کر دیجئے۔

☆ زندگی کے لباس کو مُجھ پر تنگ کر دیجئے اور مُسلمان کو میری شاعری کی شرم سے محفوظ رکھیئے۔

☆ میری کشت ویراں کو سرسبز نہ کیجئے۔ اسے ابر بہار سے بہرہ مند نہ فرمائیے۔

☆ میرے انگور کے اندر جو شراب ہے اسے خشک کر دیجئے۔ میری کافوری شراب کے اندر زہر ڈال دیجئے۔

☆ مجھے قیامت کے روز خوار و رسوا کیجئے یعنی اپنے بوسہ پا سے محروم رکھیئے۔

☆ لیکن اگر میں نے اپنی شاعری میں قرآن پاک کے موتی پروئے ہیں اور اگر میں نے مسلمانوں سے حق بات کہی ہے۔

☆ تو اے وہ ذات! جسکے احسان سے ناکس کس بن جاتا ہے (میرے لیے دُعا فرمائیے) اور یہ ایک دُعا ہی میری ساری گفتار کا اجر ہو گا۔

☆ خُدائے عزوجل کے سامنے عرض کیجئے کہ میرا عشق عمل سے ہم کنار ہو۔

☆ آپ نے مجھے غمگسار جاں کی دولت عطا فرمائی ہے، آپؐ نے مجھے علم دین کا وافر حصہ بخشا ہے۔

☆ مجھے عمل میں پائندہ تر کر دیجئے۔ میں بارش کا قطرہ ہوں، مجھے گوہر بنا دیجئے۔

☆ جب سے میں جان کا سامان لایا ہوں (پیدا ہوا ہوں) میرے دل میں ایک آرزو بھی پرورش پا رہی ہے۔

☆ یہ آرزو میرے سینے میں دل کی مانند آسودہ رہتی ہے۔ اور صبح حیات (شروع ہی سے) میرے ساتھ رہی ہے۔

☆ جب سے میں نے اپنے والد صاحب سے آپ کا نام سیکھا۔ اسی وقت سے اس آرزُو کی آگ میرے دل میں روشن رہی۔

تا فلک دیرینہ ترسازد مرا — در قمار زندگی بازد مرا
آرزوئے من جواں ترمی شود — ایں کہن صہباگراں ترمی شود
ایں تمنا زیر خاکم گوہر است — درشم تاب ہمیں یک اختراست
مدتے بالالہ رویاں ساختم — عشق بامرغولہ مویاں باختم
بادہ ہا با ماہ سیمایاں زدم — برچراغِ عافیت داماں زدم
بر قہار قصید گردِ حاصلم — رہزناں بُردند کالائے دلم
ایں شراب از شیشۂ جانم نہ ریخت[1] — ایں زرِسارا ز دامانم نہ ریخت
عقلِ آزر پیشہ ام زنّار بست — نقشِ اُو درکشور جانم نشست
سالہا بودم گرفتار شکے — از دماغِ خشکِ من لاینفکے
حرفے از علم الیقیں ناخواندۂ — درگماں آبادِ حکمت ماندۂ
ظلمتم از تاب حق بیگانہ بود — شامم از نور شفق بیگانہ بود
ایں تمنا در دلم خوابیدہ ماند — درصدف مثل گہر پوشیدہ ماند
آخر از پیمانۂ چشمم چکید — در ضمیر من نواہا آفرید
اے زیاد غیر تو جانم تہی — برلبش آرم اگر فرماں دہی
زندگی راز عمل ساماں بنود — پس مرا ایں آرزو شایاں نبود

[1] سارا: خالص

☆ جب زمانے نے مجھے معمر کیا اور زندگی کے کھیل میں مجھے آگے بڑھایا۔

☆ میری یہ آرزو اور جوان ہوتی گئی۔ یہ شراب پرانی ہو کر اور قیمتی بن گئی۔

☆ میری خاک بدن کے اندر یہ تمنا موتی بن کر چمکتی رہی۔ میری زندگی کی تاریک رات اسی ایک ستارے سے روشن رہی۔

☆ ایک عمر تک میں نے حسینوں سے راہ و رسم رکھی اور گھنگریالے بالوں والے محبوبوں سے عشق کرتا رہا۔

☆ ماہ رخوں کے ساتھ میں نے شراب کے جام لنڈھائے اور اطمینان و سکون کا چراغ بُجھاتا رہا۔

☆ میرے خرمن کے گرد بجلیاں رقص کرتی رہیں اور ان رہزنوں نے میرے دل کی دولت لوٹ لی۔

☆ مگر اس تمنا کی شراب میری جان کے جام سے نہ نکل سکی۔ یہ زر خالص میرے دامن میں محفوظ رہا۔

☆ میری عقل آزر پیشہ نے زنار باندھا اور میری جان کی ولایت میں اس کا نقش بیٹھ گیا۔

☆ کئی برس تک میں شکوک میں گرفتار رہا۔ اور یہ شکوک میرے خشک دماغ کا جزوِ لاینفک بن گئے۔

☆ میرے دماغ نے علم الیقین کا کوئی حرف نہ پڑھا۔ وہ فلسفے کے گماں آباد ہی میں بھٹکتا رہا۔

☆ میرے دماغ کی سیاہی حق کی روشنی سے نا آشنا تھی۔ میری شام نور شفق سے بیگانہ تھی۔

☆ مگر یہ تمنا میرے دل میں خوابیدہ رہی اور صدف میں موتی کی طرح پوشیدہ رہی۔

☆ آخر یہ میری آنکھوں کے پیمانے سے چھلک پڑی اور اس نے میرے ضمیر کے اندر سے نغمے پیدا کیے۔

☆ میری جان آپ ﷺ کی یاد کے علاوہ کسی اور کی یاد سے خالی ہے۔ (میرے دل میں صرف آپ ﷺ ہی بستے ہیں) اگر اجازت ہو تو میں وہ آرزو لبوں تک لے آؤں۔

☆ میں جانتا ہوں کہ میری زندگی میں عمل کا کوئی سامان نہیں، اس لیے مجھے یہ آرزو زیب نہیں دیتی۔

شرم از اظہار او آید مرا
شفقت تو جرأت افزاید مرا

ہست شانِ رحمت گیتی نواز
آرزو دارم کہ میرم در حجاز

مسلمے از ماسوا بیگانۂ
تاکجا زناریٔ بتخانۂ

حیف چوں او را سرآید روزگار
پیکرش را دیر گیرد در کنار

از درت خیزد اگر اجزائے من
وائے امروزم خوشا فردائے من

فرخا شہرے کہ تو بودی درآں
اے خنک خاکے کہ آسودی درآں

"مسکن یاراست وشہر شاہِ من
پیش عاشق ایں بود حب الوطن"

کو کبم را دیدۂ بیدار بخش
مرقدے درسایۂ دیوار بخش

تابیاسایددل بیتاب من
بستگی پیدا کند سیماب من

بافلک گویم کہ آرامم نگر
دیدۂ آغازم انجامم نگر

☆اس کے اظہار میں شرم محسوس کرتا ہوں لیکن آپ ﷺ کی شفقت میرا حوصلہ بڑھاتی ہے۔

☆ آپ ﷺ کی شان رحمت ایک زمانے کو نوازتی ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ میرا آخری وقت حجاز میں آئے۔

☆وہ مسلم جو غیر اللہ سے بیگانہ ہے۔ کب تک بتخانے کا زناری رہے۔

☆صد حیف کہ جب اس کا آخری وقت آئے تو اس کے بدن کو بُتخانہ اپنے پہلو میں جگہ دے۔

☆(لیکن) اگر میرے بدن کے اجزا آپ ﷺ کے در مبارک سے اٹھیں تو اگرچہ میرا امروز اچھا نہیں (مگر) میرا کل مبارک ہو جائے۔

☆مبارک ہے وہ شہر جہاں آپ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ کیا ٹھنڈی ہے وہ خاک جس میں آپ ﷺ آرام فرما رہے ہیں۔

☆"یہ ہمارے شاہ کا شہر اور ہمارے محبوب ﷺ کا مسکن ہے۔ عاشقوں کے ہاں یہی حب الوطنی ہے۔"

☆ میری قسمت کے ستارے کو بھی دیدۂ بیدار عطا فرمائیے (میری قسمت بھی چمک اُٹھے) اپنی دیوار کے سایے میں مجھے مرقد نصیب فرمائیے۔

☆ تا کہ میرے دلِ بیتاب کو سکون نصیب ہو اور میرا دل جو سیماب کی طرح مضطرب ہے، اسے قرار آ جائے۔

☆ اور میں فلک سے کہہ سکوں کہ میری آخری آرام گاہ دیکھ تو نے میرا آغاز بھی دیکھا تھا، اب میرا انجام بھی دیکھ۔

کتابیات

1...... تفہیم القرآن — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

2......کلیات اقبال فارسی۔اسرار ورموز — علامہ محمد اقبالؒ

3......سنت کی آئینی حیثیت — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

4......معارف الحدیث — مولانا منظور نعمانیؒ

5......شرح معین القاری — مولانا معین الدین خٹکؒ، مولانا محمد عارف